اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم
(ن ۔ آیت ۴)

معیار الاخلاق

جس میں

اخلاق کی حقیقت اور اخلاقی فضائل ورذائل کی ماہیت پر عقلی ونقلی دونوں پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ دقیق اور نازک اخلاقی مباحث کو سلیس اور عام فہم عبارت میں بطرز جدید حل کیا ہے۔ مفہوم اخلاق کی بابت جو غلط خیالات پھیلے ہوئے ہیں اُن کو علمی وفلسفی دلائل سے دفع کیا ہے۔

مُصَنّفہ

مولوی خواجہ غلام الحسنین پانی پتی
مترجم فلسفۂ تعلیم حکیم ہربرٹ سپنسر ومصنف اُصول تربیت وغیرہ

حسب فرمایش
جناب سید عبد القادر صاحب تاجر کتب چارمینار حیدرآباد دکن

سنہ ۱۳۲۴ ف

1907

مطبوعہ شمس المطابع عثمان گنج حیدرآباد دکن

عاجز کے کتبخانہ مین نصاب سررشتۂ تعلیمات سرکار عالی کے علاوہ ہر قسم کی کتابین ہر وقت موجود رہتی ہین طالب علمون کو خاص رعایت اور عام خریدارون کو کفایت کیساتھ دیجاتی ہین

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
ابتدائی جماعت		جماعت دوم		جماعت سوم	
قاعدہ اسمعیل	۱ر	اردو کی دوسری کتاب		اردو کی تیسری	
سلسلہ حساب نمبر ۱	۲ر	اسمعیل	۳ر	محمد اسمعیل	۳ر
سبق الاشیا ابتدائی اسکولونکی		نوآتالیق نستعلیق		کاپی نوآتالیق نستعلیق	
پہلی جماعت کے مقررہ اشارے	۳ر	حصہ دوم		حصہ سوم	۵ر
قاعدہ [illegible]	۱ر	سلسلہ حساب نمبر ۲		قواعد اردو حصہ اول	
جماعت اول		عبداللہ خان	۶ر	محمد اسمعیل	۲ر
اردو کی پہلی اسمعیل	۱۰ر	سبق الاشیا تیسری جماعت		سلسلہ حساب	
کاپی نوآتالیق نستعلیق	۳ر	کے مقررہ اشارے۔	۶ر	نمبر ۳ و ۴	۲ر و ۶ر
سلسلہ حساب نمبر ۲ مولفہ		فارسی پہلی پنجاب	۱۰ر	فارسی کی دوسری	
عبداللہ خان	۲ر	آمدنامہ	۱۰ر	کتاب	۲ر
سبق الاشیا پرائمری اسکولونکی		پارہ عم	۳ر	جغرافیہ محمد سلطان	۴ر
دوسری جماعت کے مقررہ		نظام الاسلام حصہ اول	۲ر	گلدستہ اخلاق	۴ر
اشارے۔	۶ر	جغرافیہ محمد سلطان	۴ر	لانگ مینس انگلش	
پارہ عم	۳ر	لانگ مینس انگلش		کورس نمبر ۲	۶ر
دینیات کا پہلا رسالہ	۲ر	کورس نمبر ۱	۴ر	سبق الاشیا نمبر ۳	۷ر

فہرست مضامین معیار الاخلاق

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۸	رذائل فضائل نما	۳۰
۲۹	حکمت کی بابت غلط فہمی	۳۱
۳۰	شجاعت کی بابت غلط فہمی	۳۲
۳۱	درندوں کا فعل شجاعت نہیں ہوسکتا	۳۳
؍	شجاع کی تعریف	۳۴
۳۳	قوت غضبی کا استعمال شجاعت نہیں ہے	۳۵
۳۴	عفو اور انتقام کا محل	۳۶
۳۵	خودکشی شجاعت نہیں ہے	۳۷
۳۶	عفت کی بابت غلط فہمی اور رہبانیت کا ابطال	۳۸
	چھٹا باب اخلاقی اثر (صفحات ۳۹-۴۸)	
۳۹	علم اخلاق کی ضرورت پر ایک اعتراض	۳۹
؍	اعتراض مذکور کی دو دلیلیں	۴۰
۴۰	پہلی دلیل کی غلطی	۴۱
۴۱	دوسری دلیل کی غلطی	۴۲
۴۲	اخلاقی اثر قبول کرنے کے اعتبار سے لوگوں کے چار درجے	۴۳
۴۴	انسان کی ناقابل اصلاح حالت کا بیان جس میں آیہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وغیرہ کی تفسیر شامل ہے	۴۴
۴۸	اس باب کا خلاصہ اور نتیجہ	۴۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"تہذیب" اور "اخلاق" - یہ دو لفظ آجکل نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں۔ مگر اُن کا صحیح مفہوم بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ بعض اشخاص کے نزدیک رہبانیت ہی کمال اخلاق ہے۔ بعض کا اخلاقی دستور العمل یہ ہے کہ حیوانی خواہشوں کو بغیر کسی مزاحمت کے پورا کیا جائے ایک گروہ نے اہل فرنگ کی کورانہ تقلید کو تہذیب اخلاق کا معیار قرار دے لیا ہے۔ مگر حق یہ ہے یہ لوگ مرکز اعتدال سے منحرف ہوکر افراط و تفریط کے دائرے میں آوارہ و سرگردان

اور اخلاق کے سیدھے اور صاف رستہ کو چھوڑ کر
بداخلاقی کی ٹیڑھی اور خطرناک راہوں میں سرگشتہ
وحیران ہیں ۔

ایسی حالت میں ضرورت ہے کہ اردو میں ایک
ایسا رسالہ لکھا جائے جس میں اخلاق کے صحیح
مفہوم اور فضائل و رذائل کی حقیقت پر صاف
سلیس اور عام فہم طریقہ پر عقلی و نقلی دونوں
حیثیتوں سے بحث کی جائے اس ضرورت کے پورا
کرنے کے لئے یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔ اور ہر بحث کو
علمی و فلسفی دلائل سے مدلل کیا ہے قطع نظر اس کے
اور بہت سے کارآمد اخلاقی مسائل جن کی فی زمانہ
سخت ضرورت ہے۔ اضافہ کئے گئے ہیں مثلاً حقوق اللہ
اور حقوق العباد کی بحث ماہیت اخلاق کی نسبت دنیا کے
مختلف خیالات اور ان پر محاکمہ قرآن مجید کی قسموں کی
حقیقت۔ مفہوم حکمت کے متعلق جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں
کی غلطی انسانی علم و حکمت کا نقص اور وحی الہام کی
ضرورت عفو و انتقام کا موقع و محل اور اس پر عقلی و نقلی
دلایل و براہین قاطعہ سے۔ رہبانیت کا ابطال قلب
انسان کی کیفیت خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وغیرہ آیات کی
تفسیر اور اس بارے میں معترضین کے اعتراضات کا دفعیہ
یہ وہ مباحث ہیں جو اخلاق کی قدیم کتابوں میں نہیں مل سکتے

اور اگر بعض امور ملتے بھی ہیں تو اُن کا بیان اس شرح و بسط کے ساتھ جیسا کہ اس رسالہ میں ہے نہیں ملتا۔

اس رسالے میں اخلاق کے متعلق اُصولاً بحث کی گئی ہے۔ ابھی اخلاق کا عملی پہلو دکھانا باقی ہے۔ اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے ہادیان دین اور آئمہ طاہرین کے حالات بہترین نمونہ ہیں جس کے لئے ایک سلسلۂ کتب و رسائل ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ پس اس رسالے معیار الاخلاق کو اُس سلسلہ کا مقدمہ سمجھنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں یہ بات دکھائی جائیگی کہ اُن بزرگوں کے عادات وخصائل اس معیار پر پورے اترتے ہیں اور وہ انسان کامل اور نمونہ خُلق مجسم تھے مگر ایسے التزام کے ساتھ اس اہم کام سے عہدہ برآ ہونا خصوصًا مجھ جیسے کم مایہ اور کم فرصت شخص کے لئے سخت مشکل ہے میں نے اس سلسلہ میں اخلاق حسینیؑ کو مکمل کرکے چھپنے کے لئے دیدیا ہے جو عنقریب شائع ہو جائیگی اور اخلاق محمدیؐ کی مفصل یادداشتیں قلم بند کر لی ہیں۔ صرف ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ دیگر آئمہ کے اخلاقی واقعات کا سرمایہ جمع کر رہا ہوں۔ خیال یہ تھا کہ جب یہ تمام سلسلہ مکمل ہو جائے اُس وقت اُس کو چھپوایا جائے۔ مگر چونکہ

حیات مستعار کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ جس قدر لکھا جاچکا ہے اس کو ابھی چھپوا دیا جائے اور مُتَوَکِّلاً عَلَی اللّٰہ باقی ماندہ سلسلہ کو ترتیب دینے کا خیال رکھا جائے اگر زندگی باقی ہے تو مکمل ہو جائیگا ورنہ خیر میں اس بات سے ناواقف نہیں ہوں کہ آجکل علمی اور اخلاقی کتابوں کی نہایت کساد بازاری ہے سنجیدہ اور مہذب کتابوں کو چھوڑ کر اہل ملک اور خصوصاً ہماری ہم قوم بیہودہ افسانوں ناولوں اور ناٹکوں کے پڑھنے میں جس سے قوم کا اخلاق بہت کچھ تباہ ہوا اور آئیندہ تباہ ہونے والا ہے) اپنی عمر عزیز کو رائیگاں کھوتے ہیں۔ مگر چونکہ دنیا میں اقبدر اپنی طاقت کے صحیح خیالات کا پھیلانا خواہ تحریر کے ذریعہ سے ہو خواہ تقریر کے ذریعہ سے ہر شخص کا فرض منصبی ہے۔ اس لئے میں ان کتابوں کو ملکی و قومی و مذہبی فرض سمجھ کر شائع کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ لوگ ان مطالب کو پڑھیں و سمجھیں اور اُن پر غور کریں۔ اور جب اُن سے فائدہ اُٹھائیں تو مصنف کو بھی دعائے خیر سے یاد کریں۔ آمین یا رب العالمین۔

اب میں علماء و مجتہدین لکھنو میں سے جناب مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ۔ جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ جناب مولانا سید باقر صاحب قبلہ اور جناب

مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ (دامت برکاتہم و افاداتہم) اور نیز شمس علماء جناب مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی (مدظلہ العالی) کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ صاحبان موصوف نے اشاعت سے پہلے معیار الاخلاق اور اخلاق حسینی کے مسودات کو ملاحظہ کرکے ازراہ قدردانی نہایت پسند فرمایا اور اُن کو طبع کرانے کی ہدایت فرمائی فقط

ستمبر ۱۹۰۷ء غلام الحسنین

حامداً و مصلیاً و مسلماً

معیار الاخلاق

پہلا باب

اخلاق کی عظمت

انسانی تعلقات

جب ہم دنیا میں چاروں طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو انسان کو تعلقات کی زنجیر میں جکڑا ہوا پاتے ہیں۔ جس سے اُس کی رہائی ممکن نہیں۔ وہ دوسروں کی مدد کا محتاج ہے۔ دنیا میں قدم رکھتے ہی ماں باپ اور دیگر قریبی رشتہ داروں کا اس قدر دست نگر کہ اگر وہ پرورش اور خبر گیری نہ کریں تو زندگی محال ہو جائے۔ جوں جوں بڑا ہوتا ہے۔ ضرورتیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ اور ضرورتوں کے ساتھ تعلقات بڑھتے جاتے ہیں۔ خوراک۔ لباس۔ مکان وغیرہ ضروریات زندگی دوسروں کی مدد کے

بغیر مہیا نہیں ہو سکتیں۔ اگر ایک شخص بذاتِ خود جملہ ضروریات بہم پہنچانا چاہے تو اس کی زندگی وبال ہو جائے۔ اور پھر بھی وہ ضرورتیں پوری نہ ہوں ۞

پس یہ بات نہایت ضروری ہے کہ کوئی کاشتکاری کرے کوئی مزدوری کوئی نوکری کرے کوئی دستکاری۔ کوئی لہار کا کام کرے کوئی بڑھئی کا۔ کوئی کپڑا بُنے۔ کوئی جوتا بنائے۔ اسی پر دوسرے کاموں کو قیاس کرنا چاہیئے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ انتظام دُنیا کے لئے تمدن ضروری ہے۔ اور انسان مَدَنی الطّبع ہے تو اُس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ وہ باہمی امداد کا محتاج ہے۔ اور حسن معاشرت کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ مِل جُل کر رہنا ضروری ہے ۞

یہ کیفیت ہے انسانی تعلقات کی بنی نوع کے ساتھ۔ مگر وہ تعلّق کے ایک اور زیادہ تر مضبوط سِلسلہ میں مسلسل ہے۔ یعنی وہ تعلق جو انسان کو اپنے خالق کے ساتھ ہے ۞ اگر انسان آپس کے تعلقات کو کم کر کے کسی قدر سبکدوش ہونا چاہے تو ممکن ہے۔ مگر خدا کے ساتھ جو تعلق ہے وہ تو کسی طرح منقطع ہو نہیں سکتا۔

؎ کہ کرد قطع علائق کدام شد آزاد — بریدۂ زہمہ با خدا گرفتار است

حقوق اللہ اور حقوق العباد

چونکہ ہر شخص کا تعلق خدا اور انسان دونوں سے ہے۔ اس لئے اُس پر دو طرح کی ذمہ واری عاید ہوتی ہے۔ پہلی قسم کی ذمہ واری کو حقوق اللہ (اللہ کے حقوق) اور دوسری قسم کی ذمہ واری کو حقوق العباد (بندوں کے حقوق) کہتے ہیں ۞ اس ذمہ واری کا پورا کرنا انسان کا

فرض ہے۔ حقوق اللہ کے ادا کرنے سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معبود حقیقی سمجھکر حق عبودیت کما حقہ بجالانا اور حقوق العباد کے پورا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر شخص کے ساتھ عدالت وانصاف کا برتاؤ کرنا یہی عدالت تمام اخلاقی فضائل کا خلاصہ ہے۔ جیساکہ آیندہ مفصل بیان ہوگا۔

حُسن خُلق اور بدخُلقی مذکورۂ بالا فرائض کا ٹھیک ٹھیک ادا کرنا حُسن خلق اور ان کے ادا کرنے میں غفلت یا کوتاہی کرنا بدخُلقی ہے۔ خلق نیک دین اور دنیا میں کامیابی کا منبع اور خلق بد دونوں جہانوں میں ناکامی کا سرچشمہ ہے۔ جیساکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس ۹۱۔ آیت ۹ - ۱۰) جس نے اپنے نفس کو اخلاق بد سے پاک کیا وہ کامیاب ہوا۔ اور جس نے اُس پر خاک ڈال دی (بجائے اصلاح کے عیب پوشی کی) وہ ناکام رہا۔"

حُسن خُلق بڑی نعمت ہی حُسن خلق ایسی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وصف کے کمال کی وجہ سے حضرت محمدؐ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (ن ۶۸۔ آیت ۴) "(اے پیغمبرؐ) درحقیقت تمہارا اخلاق نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔"

کسی شخص نے ام المومنین عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آپؐ حضرت کا خلق کیا تھا؟ تو اُنھوں نے جواب دیا كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ۔

(آپ خلق قرآن تھا) مطلب یہ ہے کہ جو مکارم اخلاق قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہ سب آپ کی ذات ستودہ صفات میں موجود تھے۔ اور جن امور کو قرآن مجید نے اخلاقی عیوب میں شمار کیا ہے اُن سے آپ مُبرّا و مُنزّہ تھے ؛

تکمیل اخلاق آنحضرت کی رسالت کا مقصد ہے

آنحضرت نے اپنی رسالت کا مقصد تکمیل اخلاق بتایا ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے ؛

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ

"مجھے اس واسطے نبی بناکر بھیجا گیا ہے کہ اخلاق کی خوبیوں کو کمال تک پہنچا دوں"

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جملہ فرائض مذہبی جن کے بجا لانے کا حکم اسلامی شریعت نے دیا ہے۔ اُن کی علّت غائی یہی تہذیب اخلاق ہے۔ جو موجب بہبودی دارین ہے ؛

اخلاق کی فضیلت میں چند حدیثیں۔

اخلاق کی عظمت اور تہذیب اخلاق کی تاکید میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں۔ یہاں چند حدیثوں کا نقل کر دینا کافی ہوگا:

(۱) اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا

"(رسول اللہ فرماتے ہیں) تم لوگوں میں مجھکو سب سے زیادہ عزیز وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے عمدہ ہو ؛

(۲) اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا

"تم میں سب سے زیادہ نیک وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں سب سے اچھے ہیں" ؛

(۳) قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا خَیْرُ مَا اُعْطِیَ الْاِنْسَانُ "قَالَ اَلْخُلُقُ الْحَسَنُ" لوگوں نے

سوال کیا یا رسول اللہ انسان کو جو چیزیں عطا کی گئی ہیں اُن میں سب سے بہتر کونسی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا حُسن خُلق۔"

(۴) اِنَّ اَثْقَلَ مَا یُوْضَعُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ خُلُقٌ حَسَنٌ — سب سے بھاری چیز جو قیامت کے روز مومن کے میزان اعمال میں رکھی جائے گی وہ حُسن خلق ہے۔"

(۵) اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا۔ — ایمان والوں میں سب سے زیادہ کامل الایمان وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں" [۱]

ان حدیثوں سے اخلاق کی عظمت عیاں ہے۔ یہاں تک کہ ایمان بھی اخلاق کے بغیر ناقص ہے۔

دوسرا باب

مفہوم اخلاق پر ایک عام نظر

مفہوم اخلاق کی بابت تین مختلف مذہب — اب دیکھنا چاہئے کہ اخلاق ہے کیا چیز؟ اس بارہ میں دنیا کے خیالات بہت کچھ

[۱] کتب احادیث میں نہایت کثرت سے حسن اخلاق کے متعلق حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ جلد ۳۔ کتاب الآداب باب الرفق والحیاء حسن الخلق سے نقل کی گئی ہیں۔

مختلف ہیں تاہم جزئیات کو چھوڑ کر اصول کلیہ پر نظر کی جائے
تو مفہوم اخلاق کی بابت دنیا میں تین قسم کے مذہب پائے
جاتے ہیں ؛

پہلے مذہب کا خلاصہ ان لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے
"کھاؤ پیو اور عیش اوڑاؤ" جو لوگ اس مذہب کے پابند ہیں
اُن کے خیالات صرف اس دنیا میں محدود و محصور ہیں
اُن کے نزدیک عالم آخرت کوئی چیز نہیں۔ انسان اپنے
افعال و اعمال کا جوابدہ نہیں بلکہ گھاس پات کی طرح
پیدا ہو کر فنا ہوجاتا ہے۔ اس لئے اس مذہب کی رو سے
انسان کو کھانے پینے۔ سونے جاگنے وغیرہ طبعی امور میں
حیوانوں کی طرح آزاد رہنا چاہیے ؛

دوسرا مذہب یہ ہے کہ "دنیا کو ترک کرو" اس گروہ کی رائے
میں دنیا کی تمام لذتوں سے کنارہ کش ہوجانا کمال اخلاق
ہے۔ اور دنیاوی تعلقات کو قطع کئے بغیر نجات نہیں مل
سکتی۔ زن و فرزند اور اقارب و احباب سے علٰحدہ ہوئے
بغیر خدا نہیں ملتا ؛

تیسرے مذہب کا معیار اخلاق یہ ہے کہ "کھاؤ پیو پر حد
سے آگے نہ بڑھو" یعنی خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے بقدر
مناسب فائدہ اُٹھاؤ اور حد اعتدال سے تجاوز نہ کرو ؛

مذاہب مذکورہ پر ایک تنقیدی نظر پہلا مذہب اُن لوگوں
کا ہے جو یا تو خدا کی ہستی کے قطعی منکر ہیں۔ یا اس کو ایسا

ضعیف اور بے حقیقت وجود (معاذ اللہ) تسلیم کرتے ہیں۔ جو نیک و بد کی جزا و سزا پر قادر نہیں ہے۔ ان آزاد خیال آدمیوں کو اگر (خدانخواستہ) حسب دلخواہ آزادی مل جائے۔ اور سلطنت کا خوف اُن کے دلوں سے نکلجائے تو معلوم نہیں کھلّم کھلا کیا کچھ طوفان بے تمیزی برپا کریں۔ اور دنیا میں کیا کچھ بے چینی۔ بدامنی۔ خلل وزلل اور فتنہ و فساد پیدا ہوں لہذا ایسے لوگوں کے خیالات قابل التفات نہین ہیں۔ قطع نظر اس کے ثبوت واجب پر قطعی دلیلیں موجود ہیں جن سے ثابت ہے کہ ایک قادر مطلق خدا انسان کے اقوال و افعال پر ہر وقت نگراں اور آخرت میں اس کو جزا و سزا دینے والا ضرور ہے۔ فقصہ کوتاہ اخلاق کا یہ مفہوم بالکل باطل ہے۔ بلکہ اُس کو "اخلاق" کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ طبعی حالت تا وقتیکہ عقل کی فرمان بردار رہکر اعتدال کا رنگ اختیار نہ کرے اس کو اخلاقی حالت کہہ نہین سکتے اگر خلقت انسان کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ اپنی طبیعی خواہشوں کو مثل حیوانوں کے آزادانہ طور پر پورا کرے تو اس کو عقل عطا نہ کی جاتی۔ جو انسان و حیوان میں ما بہ الامتیاز ہے ؏

دوسرے مذہب کے ماننے والے ایسے اشخاص ہیں جنھوں نے الہامی تعلیم کو نظرانداز کر دیا ہے۔ یا اس کا مطلب صحیح طور پر نہیں سمجھا۔ اور اسی لئے حق سے منحرف ہوکر اُنھوں نے اخ[illegible] کا غلط معیار تجویز کر لیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو جسما[illegible]

روحانی قوتیں اسی لئے عطا کی ہیں کہ اُن سے باقاعدہ کام لیا جائے نہ اس لئے کہ اُن کو معطل چھوڑا جائے۔ مثلاً نفس انسان میں قوت غضبی اور قوت شہوی کا پیدا کرنا۔ شخصی و نوعی بقا کے لئے نہایت ضروری ہے۔ پس جو لوگ منشائے الٰہی اور فطرت انسانی کے خلاف یہ تعلیم دیں کہ ان قوتوں کو معدوم کر دینا کمال اخلاق ہے وہ یقیناً غلطی پر ہیں۔

اب باقی رہا تیسرا مذہب جو تمام قوتوں کو اعتدال کے ساتھ کام میں لانے اور دنیاوی لذتوں سے بقدر مناسب لطف اُٹھانے کی اجازت دیتا ہے۔ یہی مذہب حق اور فطرت کے موافق ہے۔ اور یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ باقی مذہب افراط و تفریط سے خالی نہیں۔ اسلام نے دنیا کو وسط و اعتدال کی شاہراہ پر قایم کیا اور اخلاق کا صحیح مفہوم بتا دیا؛

اب ہم اخلاق کی ماہیت پر کسی قدر مفصل بحث کرینگے جسمیں اخلاقی فضائل و رذائل کا بیان ہوگا۔ اور مفہوم اخلاق کی بابت جو غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں اُن کو بھی رفع کیا جائے گا؛

تیسرا باب

فضائل اخلاق

حقیقت انسانی | انسان مجموعہ ہے دو چیزوں کا ایک جسم دوسری

روح جس کو نفس بھی کہتے ہیں۔ جسم کو آنکھہ سے دیکھہ سکتے ہیں ہاتھہ سے چھو سکتے ہیں۔ روح ظاہری حواس سے محسوس نہیں ہو سکتی بلکہ عقل و بصیرت سے اس کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ آنکھہ ناک وغیرہ اعضائے جسمانی انسان کی ظاہری صورت سے تعلق رکھتے ہیں۔ افعال و اعمال اور عادات وخصائل جو روح کے خواص ہیں انسان کی باطنی صورت کا آئینہ ہیں ؀

جب تک جسم کے تمام اعضا متناسب۔ خوش نما اور سڈول نہ ہوں ظاہری حُسن کامل نہیں ہو سکتا۔ علےٰ ہذا القیاس جب تک انسان کے جملہ عادات و اطوار اور حرکات وسکنات خوش آیندہ۔ موزوں۔ اور معتدل نہ ہوں باطنی حُسن بھی کامل طور پر حاصل نہیں ہوتا۔ یا یوں کہو کہ اس کے اخلاق کی تکمیل نہیں ہو سکتی ؀

خَلق اور خُلق ظاہری صورت کو خَلق (بالفتح) اور باطنی صورت کو خُلق (بالضم) کہتے ہیں۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص خوش خَلق اور خوش خُلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ حُسن ظاہری اور حُسن باطنی سے آراستہ ہے **اخلاق** جمع ہے خُلق کی۔ اردو میں خُلق کی جگہہ بھی عموماً لفظ اخلاق بصیغہ جمع بولا جاتا ہے ؀

خُلق کی تعریف خلق نفس انسان کی ایک کیفیت راسخ ہے جس سے افعال بآسانی بلا فکر و تامل صادر ہوں اگر ایسے افعال صادر ہوں جو عقلاً و شرعاً پسندیدہ ہیں۔ تو اس

کیفیت کا نام حسن خُلق یا خوش خُلق ہے اور اگر بُرے افعال سرزد ہوں تو اُس کو سوءِ خُلق یا بد خُلقی کہتے ہیں ✿

اگر کوئی شخص اتفاقاً کسی موقع پر بہت سا روپیہ خرچ کردے تو ایسا فعل خلق سخاوت نہیں کہلائے گا۔ تاوقتیکہ موقع مناسب پر بقدر مناسب صرف کرنے کا خیال اس کے دل میں مضبوطی کے ساتھ جم نہ جائے۔ اسی لئے خُلق کی تعریف میں "راسخ" کی قید لگائی گئی ہے۔ اسی طرح "آسانی" اور "بلافکر وتامل" کی قید لگانے کا یہ فائدہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص (مثلاً) بہ تکلف اور بڑے فکر وتامل سے کسی موقع پر اپنا مال صرف کرے۔ یا اپنے غصہ کو ضبط کرے تو اُس کے فعل کو خلق سخاوت یا خُلق حلم نہیں کہہ سکتے ✿

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خُلق صرف فعل کا نام نہیں ہے بلکہ نفس کی ایک خاص کیفیت کا نام ہے! بعض آدمی خُلق سخاوت رکھتے ہیں. مگر مُفلسی وغیرہ کی وجہ سے خرچ کرنے سے معذور ہیں. اسی طرح بعض اشخاص خُلق بخل رکھتے ہیں۔ مگر ناموری یا ریاکاری کی وجہ سے بہت کچھ خرچ کردیتے ہیں ✿

نفس انسان کی تین قوتیں

اللہ تعالیٰ نے نفس انسان میں تین مختلف قوتیں پیدا کی ہیں **قوت ناطقہ قوت غضبی قوت شہوی**۔

(۱) **قوت ناطقہ**۔ اس قوت کی بدولت انسان نظری

امور پر غور کرتا ہے۔ مختلف چیزوں کو ایک دوسرے سے تمیز کرتا ہے۔ اور حقائق اشیاء کو بہ نظر تعمق ملاحظہ کرنے کا شوق اُس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اس قوت کو نفس مُطمئِنّہ اور نفس مَلکی بھی کہتے ہیں ؁

(۲) **قوت غضبی**۔ اس قوت کے باعث انسان کے دل میں غصّہ اور دلیری پیدا ہوتی ہے۔ خطرناک کاموں میں گھسنے اور دوسروں پر غلبہ یا فوقیت حاصل کرنے کا جوش پیدا ہوتا ہے اس قوت کا نام نفس لوّامہ اور نفس سَبُعی بھی ہے ؁

(۳) **قوت شہوی**۔ اس قوت کی وجہ سے انسان کو کھانے پینے۔ سونے۔ جاگنے۔ تعلقات خانہ داری پیدا کرنے اور جسمانی آرام و آسایش کا سامان بہم پہنچانے کی رغبت ہوتی ہے نفس امّارہ اور نفس بہیمی اسی قوت کے دوسرے نام ہیں ؁

یہ تینوں قوتیں ضد یکدیگر ہیں اور ہر ایک کے مختلف آثار انسان سے ارادۃً صادر ہوتے ہیں ؁

حصر فضائل اخلاق | چونکہ نفس انسان کی تین قوتیں ہیں۔ اس لئے فضائل اخلاق بھی تین ہی صفتوں میں منحصر ہیں ؁

(۱) **تفصیل** اس اجمال کی یہ ہے کہ جس وقت نفس ناطقہ کی حرکت فکری اعتدال پر ہو اور اُس کو صحیح معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو جائے تو اس حرکت سے عِلم حاصل ہوتا ہے۔ علم سے اقوال کا صدق و کذب اور افعال کا حُسن و قبح ظاہر ہوتا ہے

اور عقاید کی صحت و غلطی کا پتہ لگتا ہے۔ علم کا کمال اور اُس کا نتیجہ **حکمت** ہے۔ جو اخلاق حسنہ کی اصل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس وصف کی بابت ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (البقرہ۔ آیت ۲۷۲۔ پارہ تلک الرسل)	"جس شخص کو **حکمت** دی گئی اُس کو بڑی دولت مل گئی۔"

حکمت کا مبدأ نفس ملکی ہے۔ جس کو قرآن شریف میں نفس مطمئنہ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ (الفجر۔ آیت ۲۷۔۳۰)	"اے وہ نفس جس کو اطمینان اور آرام حاصل ہے۔ اپنے پروردگار کی طرف واپس چلا جا تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی میرے خاص بندوں میں

شامل ہو۔ اور میری جنت میں داخل ہو۔"

یہ درجہ انسانی فضایل میں سب سے بالاتر بلکہ دیگر فضائل کا منبع ہی اسی مرتبہ کو پوری طرح حاصل کرنے کے بعد انسان نفسانی کمزوریوں سے پاک ہو جاتا ہے +

(۲) جب نفس **سبعی** کی حرکت فکری اعتدال پر ہو اور وہ نفس ملکی کا فرمان بردار رہ کر حکمت کے اشارہ پر چلے۔ اور جس قدر حصہ عقل نے اُس کے لئے تجویز کیا ہے اُس پر راضی ہو کر کمی بیشی کا خواہان نہ ہو۔ یا بالفاظ دیگر **قوت غضبی** عقل اور شرع کی

حد سے تجاوز نہ کرے اُس حرکت سے حِلم حاصل ہوتا ہے اور حلم کے بعد شجاعت۔ اس فضیلت کا سرچشمہ نفس لوامہ ہے جس کی عظمت کا اظہار اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیا ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیٰمۃ آیت ۲)	ہم کو قسم ہے اُس نفس کی جو انسان کو اُس کی برائیوں پر ملامت کرتا رہتا ہے

نفس لوامہ گویا ایک خدائی فوجدار ہے جو ہر وقت انسان پر مسلط ہے اور اس کو بری خواہشوں سے روکتا اور ناشائستہ حرکتوں پر ٹوکتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ کوئی ناواجب خیال دل میں لاتا ہے یا ناجائز فعل کا مرتکب ہوتا ہے تو اُس کا دل خود بخود دھڑکنے لگتا ہے۔ تمام جسم میں سنسناہٹ ہو جاتی ہے۔ قلب میں اضطراب اور نفس میں بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ غرض یہ شحنہ ایک لحہ کے لئے بھی اُس سے جُدا نہیں ہوتا۔ اور اپنا فرض منصبی ادا کرنے سے باز نہیں رہتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایسے سخت حاکم کو انسان نے اپنے اوپر آپ مُسلّط نہیں کیا۔ بالضرور یہ فعل کسی دوسرے کا ہے۔ اور وہ دوسرا ایسا وجود ہونا چاہیئے جو اُس پر ہر طرح کی قدرت اور حکومت رکھتا ہو۔ اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہو سکتا کہ خدائے قادر مطلق نے خاص مصلحت سے اس قوت کو جو عالم آخرت کی ذمہ داری ہر وقت ہم کو یاد دلاتی ہے ہمارے اوپر مسلط کیا ہے۔ اور اسی امر کے ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُس کو قسم کے پیرایہ میں دلیل کے طور پر پیش کیا ہے قسم کا اصل مفہوم یہی ہے کہ اپنے مدعا پر شہادت یا دلیل پیش

کی جائے ۔ اور در حقیقت نفس لوامہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ کا ایک زندہ گواہ ہے علیٰ ہذا القیاس دیگر مظاہر قدرت ۔ مثلاً شمس و قمر ۔ ارض و سما ۔ لیل و نہار وغیرہ اُسی خالق عالم کے وجود سراپا جود کے زبردست دلائل ہیں اور خدا تعالیٰ نے اپنے ان بدیہی امور کی شہادت سے نظری امور کو ثابت کرنے کے لئے قسم کا پیرایہ اختیار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا بار بار فرماتا ہے کہ اے منکرو اگر تم کو ہماری ہستی ہماری حکمت ہماری مصلحت اور ہماری قدرت میں شبہ ہے تو دیکھو چاند سورج کو ۔ دیکھو زمین و آسمان کو دیکھو اختلاف لیل و نہار کو بلکہ دیکھو خود اپنے نفس کو ۔ ان تمام مخلوقات و مصنوعات میں تم کو ہماری بے شمار نشانیاں ملیں گی[۱]

(۳) اسی طرح جب نفس بہیمی کی حرکت اعتدال پر ہو وہ عقل کے تابع رہکر مقررہ حصہ پر قناعت کرے اور کم و بیش کا خواہشمند نہ ہو تو اس حرکت سے عِفّت حاصل ہوتی ہے ۔ اور عفت کے بعد سخاوت ۔

نفس بہیمی جس کو نفس امّارہ بھی کہتے ہیں اُس کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ :-

"یہ نفس انسان کو بُرائی کی طرف اُبھارتا ہے"۔ اور اُس کو قابو میں	اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (یوسف آیت ۵۳)

تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری (سعدی)	[۱] ابر و باد و مہ و خورشید فلک در کارند ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار

رکھنے کے لئے دوسرے مقام پر اس طرح حکم ہوا ہے ؛

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۔
(النّٰزِعٰت۔ آیت ۴۰-۴۱)

"اور جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈرا۔ اور اپنے نفس کو بری خواہشوں سے روکتا رہا تو اس کا ٹھکانا بہشت ہے"

(۴) جب یہ تینوں خُلق یعنی **حکمت**۔ **شجاعت** اور **عفّت** حاصل ہو جائیں تو اُن کے باہمی اعتدال سے نفس کی ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جس کو **عدالت** کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ بعض حکما نے فضائل اخلاق کو چار جُداگانہ قسموں میں تقسیم کر کے عدالت کو چوتھی قسم قرار دیا ہے۔ مگر جہاں تک انسانی اخلاق کا تعلق ہے **عدل یا عدالت** جُداگانہ وصف نہیں ہے۔ لہذا ہم نے اُس کو اخلاق کی جُداگانہ نوع قرار نہیں دیا ؛

فضائل اخلاق کی تعریف اور تقسیم

اوپر کے بیان سے فضائل اخلاق کا عام مفہوم ذہن نشین ہو گیا ہوگا۔ اب مختصراً ہر ایک خُلق کی تعریف اور اقسام بیان کئے جاتے ہیں :

(۱) **حکمت**۔ مراد ہے احوال موجودات کے واقعی علم سے جہاں تک کہ انسان کی قدرت میں ہو۔ **ذکا** (تیزی طبع) **صفائے ذہن** **سُرعت فہم**۔ اصابت رائے۔ حُسن تدبیر۔ دقیقہ یابی (بات کی تہ کو پہنچنا) یہ سب وصف حکمت میں داخل ہیں ؛

(۲) **شجاعت**۔ قوت غضبی کی تہذیب کا نام شجاعت ہے۔ اس قوت سے انسان خوف و ہلاکت کے موقع پر ثابت قدم رہتا اور رائے صحیح کے

موافق عمل کرتا ہے۔ حلم۔ تحمل۔ وقار۔ استقلال۔ تواضع۔ حمیت۔ علوہمت۔ رقت یہ سب فضیلتیں شجاعت میں شامل ہیں ؂

(۳) عفت قوت شہوی کی تہذیب کا نام عفت ہے یعنی یہ قوت عقل کی تابع رہے اور نفس امارہ کے قابو میں پھنس کر ناجائز خواہشوں کی پیروی نہ کرے۔ حیا۔ ورع۔ صبر۔ قناعت۔ مواسات۔ سخاوت۔ ایثار وغیرہ اوصاف عفت کے اقسام ہیں ؂

(۴) عدالت نتیجہ ہے ان تینوں قوتوں کے باہمی اتفاق و اتحاد کا کہ وہ سب عقل کی محکوم رہیں ؂

اخلاقی فضائل کس حالت میں قابل تعریف سمجھے جاتے ہیں

یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ اخلاقی اوصاف خواہ کیسے ہی اعلیٰ درجہ پر کسی شخص میں پائے جائیں۔ تاوقتیکہ دوسروں کے لئے مفید ثابت نہ ہوں قابل تعریف نہیں ہو سکتے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی ذاتی ضرورتوں میں اعتدال کے ساتھ روپیہ صرف کرے تو اس کو سخی نہیں بلکہ منفاق کہیں گے۔ سخی اُسی وقت کہلائے گا جب کہ اُس کے مال سے دوسروں کو فیض پہنچے۔ اسی طرح جس شخص کی قوت غضبی اعتدال پر ہو مگر اُس سے دوسروں کو کوئی فائدہ نہ پہنچے یعنی ضعیفوں کی مدد نہ کرے اور بقدر امکان اُن کو ظالموں کے ظلم سے نہ بچائے تو اُس کو غیور کہیں گے نہ کہ شجاع ؂ علیٰ ہذالقیاس جس شخص کی قوت عقلی مہذب اور معتدل ہو مگر اُس کے علم و حکمت سے دوسروں کو فیض نہ ہو اُس کو حکیم نہیں بلکہ مستبصر کہیں گے ؂

عدالت کی فضیلت ارسطاطالیس کا قول ہے کہ "اگر فضائل اخلاق کو دس حصے کئے جائیں تو نو حصے عدالت کے ہیں اور ایک حصہ میں باقی ماندہ فضائل ہیں۔ نہیں بلکہ عدالت ہی تمام فضائل کا مجموعہ ہے۔ اور اگر رذائل کے دس حصہ کئے جائیں تو نو حصے جور (ظلم) کے ہیں جو عدالت کی ضد ہے۔ اور ایک حصے میں باقی رذائل ہیں۔ نہیں بلکہ جور ہی تمام رذایل کا مجموعہ ہے"

چونکہ عدالت جملہ فضائل کے باہمی اعتدال کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کوئی شک نہیں کہ یہ وصف جملہ کمالات کا جامع۔ اور اسی لئے جور (جو عدالت کی ضد ہے) جملہ نقائص کا خلاصہ ہے۔ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری نے کیا خوب کہا ہے "ہرچہ نہ آزار نہ گناہ" اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام میں ظلم اور خلائق کی دل آزاری نہ ہو اُس کا کرنا گناہ اور عیب نہیں ہے۔ کیونکہ ہر گناہ ظلم ہے۔ خواہ اپنے نفس پر ہو خواہ غیر پر۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ گناہ ظلم ہی کا نام ہے۔

مباش در پے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہی نیست

عدالت کی مختلف صورتیں عدالت کا تعلق اوّل تو ہر شخص کی اپنی ذات سے ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی قوتوں کو باعتدال کام میں لانا۔ دوسرے بنی نوع کیساتھ جن میں اپنے اہل و عیال۔ عزیز۔ قریب۔ ہمسایہ۔ ہم وطن وغیرہ شامل ہیں جیساکہ حدیث میں وارد ہوا ہے ؛

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ -	تم سب لوگ گلّہ بان ہو اور تم سب سے اپنے اپنے گلّہ کی بابت (قیامت میں)

باز پرس کی جائے گی (کہ آیا) اُس کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کیا گیا ہے یا ظلم و جور کا) اس حدیث میں راعی (گلّہ باں) کا لفظ استعارہ کے طور پر آیا ہے۔ یعنی جس طرح درندوں سے گلّہ کی حفاظت کرنا اور آب و علف سے اُن کی خبر گیری کرنا گلہ باں کا فرض ہے اسی طرح اپنی ذاتی قوتوں اور اپنے متعلقین کو اندرونی و بیرونی دشمنوں سے بچانا اور اُن کے لئے جسمانی و روحانی غذا بہم پہنچانا ہر انسان کا فرض ہے ؛

غرض کہ عدالت کا لحاظ اوّل خود اپنے نفس کے ساتھ اور اس کے بعد دوسروں کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اس مضمون کو حکما نے بطور تمثیل اس طرح بیان کیا ہے کہ "جو چراغ اپنے پاس کی چیزوں کو روشن نہیں کر سکتا وہ دور کی چیزوں کو بدرجۂ اولیٰ روشن نہیں کر سکے گا" یعنی جو شخص اپنے نفس کی اصلاح نہیں کر سکتا اور خود اپنے قوائے جسمانی و روحانی کے ساتھ انصاف کرنے سے عاجز ہو۔ اُس سے ہرگز یہ توقع نہ رکھنی چاہئے کہ وہ اہل منزل یا اہل مدینہ کے ساتھ انصاف کر سکے۔ وجہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے نفس پر بہ نسبت دوسرے کے زیادہ اختیار ہوتا ہے۔

ارسطا طالیس نے عدالت کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ اوّل وہ جس کا تعلق خدا سے ہے۔ یعنی حق عبودیت اور طاعت الٰہی بجالانا

دوئم وہ جس کا تعلق بنی نوع سے ہے یعنی معاملات میں سب کے ساتھ انصاف کرنا۔ سوئم وہ جو اسلاف یعنی باپ دادا وغیرہ بزرگوں کے حقوق ادا کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔ مثلاً اون کا قرض ادا کرنا۔ اُن کی وصیتوں کا پورا کرنا۔ پہلی قسم کی عدالت حقوق اللہ سے متعلق ہے۔ اور دوسری اور تیسری قسم کی حقوق العباد سے اس لحاظ سے عدالت کی صرف دو قسمیں ہو سکتی ہیں؛

فضائل اخلاق کا لبِ لباب

عدالت کی تمام قسموں کا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تمام فضائلِ اخلاق کا لبِ لباب ایک چھوٹی سی حدیث میں جمع ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں؛

اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللّٰہِ وَالشَّفْقَۃُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ۔

"حکم خدا کی تعظیم اور خلق خدا پر مہربانی"

اس حدیث میں اخلاق کی وسیع دریا کو چند لفظوں کے کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ کیونکہ عدالت جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے یا تو اُن معاملات میں ہوگی جو عبد اور معبود کے درمیان ہیں اور یا اون معاملات میں جو انسان اور دیگر مخلوق کے درمیان ہیں حدیث موصوف کا پہلا حصہ پہلی قسم کی عدالت (حقوق اللہ) سے اور دوسرا حصہ دوسری قسم کی عدالت (حقوق العباد) سے تعلق رکھتا ہے؛

خطوط مستقیم و منحنی کی مثال سے اُسی بیان کی توضیح

دوسری مثال خط مستقیم اور خطوط منحنی کی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا خط جو دو نقطوں کے درمیاں کھینچا جائے وہ خط مستقیم ہوتا ہے۔ اور یہ خط ایک ہی ہو سکتا ہے۔ باقی جتنے خطوط اون نقطوں کے درمیان کھینچے جائیں گے وہ خطوط منحنی کہلائیں گے۔ جن کی تعداد بے شمار ہو سکتی ہے جیسا کہ اس شکل سے ظاہر ہے۔

خطوط منحنی

نقطہ — خط مستقیم — نقطہ
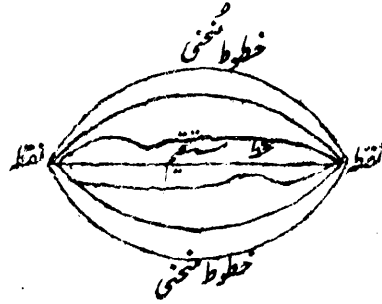
خطوط منحنی

اخلاقی فضیلت کو خط مستقیم سے۔ اور رذائل کو خطوط منحنی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

صراط مستقیم سے کیا مراد ہے۔

قصہ مختصر سیدھا راستہ ایک ہی ہو سکتا ہے مگر ٹیڑھے رستے بے شمار ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے۔ ”نیکی کی ایک راہ اور بدی کی سو راہیں“ یہی وجہ ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں نیکی یعنی اخلاقی فضائل کو صراط مستقیم (راہِ راست) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ سورۂ فاتحہ جو قرآن مجید کی پہلی صورت ہے۔ اور جس کی تلاوت ہر مسلمان کو

نمازوں میں روزمرہ کم ازکم سترہ مرتبہ کرنی چاہیئے اوس میں یہ دعا تعلیم کی گئی ہے:-

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (فاتحہ۔ آیت ۴)	اُے خدا! ہم کو سیدھا راستہ دکھا "

یہاں صراط مستقیم سے نیکی کا رستہ مراد ہے ؛

رذایل کی تعداد آٹھ قسموں میں محسور ہوسکتی ہے

اگرچہ رذائل کی تعداد محدود نہیں ہوسکتی۔ تاہم اُن کو آٹھ قسموں میں محصور کرسکتے ہیں۔ چونکہ فضیلت یا نیکی اعتدال کا درجہ ہے۔ اور جادۂ اعتدال سے منحرف ہونا دو حال سے خالی نہیں یا افراط (زیادتی) کی طرف ہوگا یا تفریط (کمی) کی طرف۔ اس لیئے ہر فضیلت کے مقابلہ میں دو رذیلتیں ہوئیں۔ چونکہ فضائل چار ہیں اس لئے رذائل آٹھ ہوئے جن کے نام یہ ہیں:-

سفاہت وبلاہت	(بمقابلہ حکمت)
تہوّر وجُبن	(بمقابلہ شجاعت)
شَرہ وخُمود	(بمقابلہ عفّت)
ظلم وانظلام	(بمقابلہ عدالت)

رذائل بمقابلہ حکمت

سفاہت وبلاہت

سفہ یا سفاہت (بمعنی سبکیٔ عقل) افراط حکمت کا نتیجہ ہے۔ یعنی قوت فکر کو ایسی باتوں میں صرف کرنا جن میں فکر کرنا مناسب نہیں۔ یا حد مناسب سے زیادہ فکر کرنا اس وصف کو

دُکھ پزیری بھی کہتے ہیں۔ اور یہ نتیجہ ہے افراط حکمت کا مکر و فریب۔ حقد خبث باطن وغیرہ عیوب سفاہت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں ؛

آج کل کے تعلیم یافتہ جوانوں کی عموماً یہ حالت ہے کہ اُن کے دل شکوک و شبہات سے پُر ہوتے ہیں۔ وہ مذہب کی طرف سے نہ صرف غافل ہوتے ہیں بلکہ بعض مذہبی احکام کی ہنسی اُڑاتے ہیں۔ اُن کے کان ابتدا سے دہریوں اور ملحدوں کے خیالات سے تو بخوبی آشنا ہوتے ہیں مگر فلسفہ الٰہیات سے بالکل ناآشنا۔ فلاسفۂ یوروپ کے رکیک سے رکیک خیالات کو بھی خواہ وہ کیسے ہی بعید العقل ہوں آمَنَّا وَصَدَّقنَا کہکر تسلیم کر لیتے ہیں مگر حکمائے ربانی کی تعلیم سے۔ جو فی الحقیقت فطرت انسانی کے موافق ہے۔ کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ بریڈلا اور ڈاروِن وغیرہ کے قیاسات پر وحی آسمانی سمجھکر ایمان لاتے ہیں۔ مگر فخر الاولین والآخرین کے کلام معجز نظام پر التفات نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے دماغ میں اخلاقی و روحانی فلسفہ کی گنجائش نہیں رہتی ؛

دنیاوی فلسفہ جو محض انسانی خیالات کا نتیجہ ہے۔ باختلاف زمانہ ہمیشہ بدلتا رہا اور بدلتا رہیگا مگر دینی فلسفہ جو خدا نے اپنے خاص بندوں کی معرفت ہم کو سکھایا ہے نہ کبھی بدلا ہے اور نہ بدلے گا۔ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا (تم خدا کے قانون میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤگے) اس لئے انسان کا فرض ہے کہ وہمیات کو یقینیات کے درجے پر نہ پہنچے جو امور بیروں از رسائی عقل ہیں۔ اور جن کی حقیقت کا ادراک انسانی عقل کماحقہٗ کر نہیں سکتی اُن میں خواہ مخواہ دخل نہ دے یہ سمجھ لینا کہ تمام اسرار الٰہی ہم نے سمجھ لئے ہیں۔ اور جو بات ہماری سمجھ میں نہ آئے وہ غلط ہے۔

انتہا درجہ کی غلطی ہے۔ کیونکہ ہماری عقل محدود ہے۔ اور ایک خاص دائرے سے آگے نہیں بڑھ سکتی ؂

جس قدر نامور اور مشہور حکما گزرے ہیں اُنھوں نے اپنی کم علمی کا بغیر اقرار کیا ہے اور اپنی تحقیقات کو تحقیقات کی آخری حد قرار نہیں دیا۔ حکیم سقراط سے کسی نے پوچھا تم کو "دانا" کیوں کہتے ہیں ؟ اُس نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اپنی جہالت کا علم ہے۔ حکیم نیوٹن کا قول ہے کہ میرا علم اُس لڑکے کے علم سے بھی کم ہے جو سمندر کے کنارے پر بیٹھا ہوا سیپیاں جمع کر رہا ہو اور جس کو اُس کے اندر کے جواہرات کا کچھ علم نہ ہو۔ حکیم ہربرٹ سپنسر موجودات کو دو قسموں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک وہ جو بیرون از رسائی عقل ہیں۔ دوسرے وہ جن کا علم ایک حد تک حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی حکیم صاف صاف لکھتا ہے کہ دنیا میں جس قدر علم ہے وہ اضافی ہے واقعی علم کسی شئے کا۔ جیسا کہ چاہئے حاصل نہیں ہو سکتا ؂

قصہ مختصر حقیقی حکمت یہی ہے کہ انسان اپنی حقیقت کو سمجھے اور اپنی عقل ناقص کو (جس کا نقص روزمرہ مشاہدہ میں آتا ہے) وحی والہام کا تابع رکھکر اسرار کائنات میں بقدر واجب غور و خوض کرے اور "ایاز قدر خود بشناس" کے قابل قدر مقولہ کو اپنا دستور العمل بنائے اس کے خلاف عمل کرنا حکمت نہیں بلکہ جہالت و سفاہت میں داخل ہے۔

ـــــــ

اینکہ برمائدہ یوروپ جہاں باشی حیف اگر از اثرِ فلسفۂ مغربیاں	حیف باشد کہ اگر از جملۂ انشیاں باشی منکر فلسفۂ سنت و قرآن باشی

مثمر از شعبدهٔ جلوه و بدسر بہتی از خیال صد افسانہ و دستاں گوئی	منکر معجزهٔ موسیٰ عمراں باشی جاہل از معرکہ ہائے شہ مرداں باشی

از خداوند جہاں یاد نیاری گاہے
روز و شب خود بہ پرستاری سلطاں باشی

برعکس اس کے بلاہت یا بَلَادَت یعنی نادانی حکمت کی تفریط کا نتیجہ ہے۔ یعنی قوت فکر کو ارادۃً معطل چھوڑ دینا اور جہاں اُس کو کام میں لانا چاہیئے وہاں یا تو اُس سے کام ہی نہ لینا یا حد مناسب سے کم کام لینا۔ جن باتوں تک عقل کی رسائی ہو سکتی ہے۔ اُن میں عقل سے کام نہ لینا یا کم کام لینا بلہ یا نادانی کہلاتا ہے۔ اور جو شخص ایسا کرے اُس کو ابلہ یا نادان کہتے ہیں۔ ناتجربہ کاری بے شعوری حمق اور جنوں اسی وصف کی شاخیں ہیں؛

پس ہر شخص کا فرض ہے کہ بقدر اپنی عقل کے حقائق انشیا کا سُراغ لگائے۔ اور اپنی تحقیقات سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے جس قدر ایجادات دنیا میں ہوئے اور ہو رہے ہیں وہ قوت فکر کے باقاعدہ استعمال کرنے کا نتیجہ ہیں؛

رذایل بمقابلہ شجاعت تہوّر و جبن

افراط شجاعت کا نام تہوّر ہے جس کے معنی ہیں بے باکی یعنی بے سوچے سمجھے خوفناک کاموں میں گھس جانا۔ مثلاً ایک تنہا آدمی باوجود اس علم کے کہ وہ شیر پر غالب نہیں آ سکتا۔ شیر سے مقابلہ کرنے لگے۔ یا ایک تنہا آدمی خواہ مخواہ ایک فوج کثیر پر حملہ آور ہو جس میں اُس کی جان کے ہلاکت کے سوا کچھ فائدہ نہ ہو تو اُس کا یہ فعل شجاعت نہیں بلکہ تہوّر کہلائیگا۔

جو عقلاً و شرعاً معیوب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ؎

وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ (بقرہ آیت ۱۹۱)	"اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو"

کبر۔ شیخی۔ عُجب۔ اشتعال طبع وغیرہ صفات اسی کا نتیجہ ہیں ؎
شجاعت کی تفریط جُبن (بزُدلی) ہے جس کو نامردی بھی کہتے ہیں۔ یعنی ایسی چیزوں سے ڈرنا جن سے ڈرنا عقلاً پسندیدہ نہیں ہے۔ یا یوں کہو کہ شجاعت کے موقع پر بزُدلی سے کام لینا۔ ذلت و خواری خوف خسّت (کمینہ پن) پست حوصلگی وغیرہ عیوب جُبن سے پیدا ہوتے ہیں۔

رذائل بمقابلہ عفّت شَرَہ و خمود	عفت کا اعتدال سے زیادہ ہونا شَرَہ (حرص) کہلاتا ہے یعنی مقدار مناسب سے بڑھکر شہوات و لذات کی طرف نفس کا میلان ہونا۔ طمع۔ بے حیائی۔ خبث۔ اسراف

ریا۔ فحش۔ خوشامد۔ حسد۔ شماتت۔ بے حُرمتی یہ سب صفتیں شَرَہ کی مختلف صورتیں ہیں ؎
عفت کی کمی کو خمود کہتے ہیں۔ جس کے لفظی معنی ہیں آگ کا بجھجانا یہاں قوت شہوی کی حرارت کا زائل ہونا مراد ہے۔ یعنی جن ضروری لذّتوں سے حظ اُٹھانا عقل و شرع نے ہر شخص کے لئے جائز قرار دیا ہے۔ اُن سے ارادۃً باز رہنا ؎

رذائل بمقابلہ عدالت ظلم و انظلام	عدالت کی افراط کا نام ظلم ہے یعنی دوسروں کے حقوق میں دست اندازی کرنا۔ لوگوں کے جان و مال کو نقصان پہنچانا اور ناجائز وسائل سے معاش پیدا کرنا

برعکس اس کے انظلام عدالت کی تفریط کا نام ہے۔ انظلام کے لفظی

معنی ہیں "ظلم قبول کرنا" مطلب یہ ہے کہ ظالم کی حد سے زیادہ اطاعت کی جائے جس سے اپنے نفس کی ذلت و خواری ہو۔ اور ظالم کو اپنی ناجائز خواہشوں کے پورا کرنے میں مدد ملے ؎

بعض علماء کے نزدیک عدالت کی کمی و بیشی دونوں کا نام ظلم ہی ہے۔ کیونکہ ظلم دو قسم کا ہے۔ ایک اپنے نفس پر دوسرا غیر شخص پر اس اعتبار سے صرف ظلم ہی کو عدالت کی ضد کہہ سکتے ہیں۔ جو کل برائیوں کا مجموعہ ہے ؎

پانچواں باب

اخلاق کے متعلق بعض غلط فہمیاں

رذائل فضائل نما

اخلاقی فضائل و رذائل کا بیان ختم ہوا۔ اب مناسب ہے کہ بعض غلطیوں کو جو مفہوم اخلاق کی بابت عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں۔ رفع کیا جائے۔ بعض اوصاف بظاہر فضائل اخلاق سے مشابہت رکھتے ہیں ناواقف آدمی غلطی سے اُن کو فضائل سمجھ لیتے ہیں۔ اس لئے اِن فضائل نما رذائل کو صاف طور پر جتا دینا ضروری ہے۔ تاکہ سچے موتیوں کے طلبگار غلطی سے جھوٹے موتی نہ لیں۔ زر خالص کے خریدار ملمع نہ خریدیں۔ کھرے کھوٹے میں تمیز کر سکیں۔ اور دغا بازوں کے فریب میں نہ آئیں ؎

حکمت کی بابت غلط فہمی | جو لوگ درسی کتابیں تمام کر لیتے ہیں یا اعلیٰ امتحانات پاس کر لیتے ہیں۔ جن کو حکماء کے بہت سے اقوال یاد ہوتے ہیں اور جن کے دماغ میں مختلف معلومات کا انبار لگا ہوا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو ان اوصاف کی وجہ سے بڑا دانشمند اور حکیم سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ان باتوں کو حکمت سے کچھ سروکار نہیں۔ ایسے لوگوں کو عموماً کسی مسئلہ پر یقین نہیں ہوتا اطمینان قلب اور روحانی تسلی جو حکمت کا خاصہ ہے اُن کو نصیب نہیں ہوتا۔ اُن کے لوح دل پر کوئی نقش قایم و راسخ نہیں ہوتا۔ بلکہ جیسا موقع دیکھتے ہیں اُسی قسم کی باتیں کرنے لگتے ہیں؛

ایسے لوگ اس مشہور مثل کے مصداق ہیں کہ "پیشِ مُلّا طبیب و پیشِ طبیب مُلّا و پیشِ ہر دو ہیچ و پیشِ ہیچ ہر دو"۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نقال جو کبھی خطیب بن جاتا ہے اور کبھی طبیب۔ کبھی شاعر کے لباس میں جلوہ گر ہوتا ہے اور کبھی واعظ کے کبھی بادشاہ بن کر تماشہ گاہ پر آتا ہے۔ اور کبھی فقیر بن کر لوگوں کو محوِ حیرت بناتا ہے۔ حالانکہ وہ جن لوگوں کا سانگ بھرتا ہے۔ اُن کے اوصاف سے بالکل بے بہرہ ہوتا ہے۔ تاہم نقل کو اصل کر دکھاتا ہے اسی طرح یہ لوگ علماء و حکما کی صرف نقل اُتارتے ہیں۔ بندر آدمی کے کاموں کی اچھی خاصی نقل کر سکتا ہے۔ طوطا۔ مینا بھی انسانی آوازوں کا صحیح تلفظ ادا کر سکتے ہیں۔ مگر اس قابلیت کی وجہ سے اُن کو انسان نہیں کہہ سکتے یہی حال ان عالم نما جاہلوں کا ہے۔ وہ بھی حکیم کہلانے کے مستحق نہیں ہیں؛

اسی گروہ میں بعض ایسے اشخاص بھی ہوتے ہیں جو بدیہی اور یقینی
مسائل میں جن میں حجت اور تکرار کی گنجائش نہیں ہوتی کج بحثی کرنے
لگتے ہیں اور صرف اسی خیال سے کہ اُن کو عقلمند سمجھا جائے۔ دوسروں
سے خواہ مخواہ اُلجھ پڑتے ہیں اور اپنی مغالطہ آمیز دلیلوں سے مُبتدیوں
اور ناواقفوں کے دل میں طرح طرح کے شبہات ڈالدیتے ہیں۔
باطل کو حق کے لباس میں اور وہم و گمان کو علم و یقین کی صورت
میں ظاہر کرتے ہیں دقیق سے دقیق اور نازک سے نازک
مسائل میں ادراک سے عقل انسانی عاجز ہے۔ قطعی فیصلہ دینے کے
لئے تیار رہتے ہیں اور اس طرز عمل کا نام تحقیق و تدقیق رکھتے ہیں۔
چونکہ حکمت انسانی کمالات کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور اس کی
معرفت حکیم کے سوا دوسروں کو اچھی طرح حاصل نہیں ہو سکتی۔
یہی وجہ ہے کہ عوام الناس کو نقلی اور اصلی حکما کے درمیان تمیز کرنا
سخت مشکل ہو جاتا ہے ؀

شجاعت کی بابت غلط فہمی۔

بعض آدمی خطرناک کاموں اور سخت لڑائیوں
میں کسی خاص غرض سے گھس جاتے ہیں نہ کہ
شجاعت کے خیال سے۔ **قزاق اور رہزن**۔
قتل و غارت اور لوٹ مار کرتے ہیں۔ جس کی پاداش میں طرح طرح
کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ ہتکڑیاں بیڑیاں پہنتے ہیں جیل خانوں میں
قید ہوتے ہیں۔ قتل ہوتے ہیں اور یہ کام صرف دولت اور ناموری
کی طمع سے کرتے ہیں۔ بعض آدمی اپنے اقارب و احباب کی ملامت
سے بچنے کے لئے یا حاکم و بادشاہ کی خوف سے مجبوراً ایسے کاموں کو اختیار

کرتے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اتفاقاً کسی مہم میں کامیاب ہو کر مغرور ہو جاتا ہے۔ اور دوبارہ ویسے ہی خطرناک کام میں ہاتھ ڈالدیتا ہے :

ایسے لوگوں کو جن سے ایسے شجاعت نما افعال صادر ہوں شجاع کہنا غلط ہے۔ شجاع تو وہی شخص کہلائے گا جس کا اصل مقصد ملکہ شجاعت کا حاصل کرنا ہو نہ کہ کسی کینہ غرض کا ؛

درندوں کا فعل شجاعت نہیں ہوسکتا

شیر وغیرہ درندے جانور دوسرے جانداروں کو جو ہتے چڑھ جائیں پھاڑ کھاتے ہیں مگر اون کے اس فعل کو شجاعت سے کچھ واسطہ نہیں۔ اس کے کئی سبب ہیں ؛

اول۔ درندوں کو اپنے غلبہ کا پورا یقین ہوتا ہے۔ اور وہ بالطبع غلبہ کے مشتاق ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بمقتضائے طبیعت ایسا کرتے ہیں نہ کہ شجاعت کے خیال سے ؛

دوم۔ درندوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بڑا سورما لڑائی کے پورے ہتھیار سج کر ایک عاجز و ناتواں سے مقابلہ کرے۔ اور یہ کام شجاع کا نہیں ہے

سوم۔ شجاعت کی بنیاد عقل پر ہے۔ درندوں میں سرے سے عقل ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے اُن کو شجاع کہنا صحیح نہیں ہے ؛

شجاع کی تعریف

شجاع اسی شخص کو کہا جائیگا جس سے شجاعت کے کام حکم عقل کے موافق صادر ہوں اور اُس کا مقصد محض اُس فضیلت کا حاصل کرنا ہو۔ شجاع کو مرجانا قبول مگر کسی ایسے فعل کا

ارتکاب جو ایک شریف انسان کے شایاں نہ ہو گوارا نہیں ہوتا۔ اُس کے نزدیک نیکنامی سے قتل ہو جانا موجب عزت اور بدنامی میں زندگی بسر کرنا موجب ذلت ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے اَلنَّارُ وَلَا عَار (آگ میں جلکر مرجانا قبول مگر ننگ گوارا نہیں)

شجاع کے ساتھ لوگوں کو بالطبع ہمدردی ہوتی ہے عام طور پر اُسکی تعظیم و تکریم ہوتی ہے۔ بالخصوص ایسا شخص جو تائید حق اور حمایت دین کے لئے قیام امن اور دفع فساد کیلئے اور خلق اللہ کو نفع پہنچانے کے لئے اپنی تکالیف کی مطلق پروا نہ کرے یہاں تک کہ اپنی اور اپنے اقارب و احباب کی جان سے دریغ نہ کرے۔ اُس کا درجہ سب سے بڑھکر ہے یہی لوگ ہیں جو زندۂ جاوید کہلانے کے مستحق ہیں ؂

کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ہ (آل عمران آیت ۱۶۳)

اور جو لوگ راہ خدا میں قتل ہو گئے ہیں اُن کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس رزق پاتے ہیں ؂

غرض ایسا مرنا جس کا ذکر خیر دنیا میں قایم رہے اور جس کا اجر جزیل آخرت مین عطا ہو۔ عاقل کے نزدیک اُس زندگی سے جو عیب اور ننگ و عار سے معمور ہو ہزار درجے بڑھ کر ہے یہی وجہ ہے کہ علی مرتضیٰ (علیہ السلام و کرّم اللہ وجہہ) نے فرمایا ہے :-

اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّکُمْ اِنْ لَّمْ تُقْتَلُوْا تَمُوْتُوْا وَالَّذِیْ نَفْسُ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ بِیَدِہٖ لَاَلْفُ ضَرْبَۃِ السَّیْفِ

اے لوگو! اگر تم قتل نہوئے تو بھی تم کو موت ضرور آئیگی قسم ہے اُس خدا کی جس کے

عَلَى الرَّأْسِ أَهْوَنُ مِنْ مَيْتَةٍ عَلَى الْفِرَاشِ

دست قدرت میں پسر ابو طالب کی (یعنی میری) جان ہے مجھ کو اپنے سر پر تلوار کی ہزار ضربیں بستر پر مرنے کی نسبت زیادہ آسان ہیں"

قوت غضبی کا استیصال شجاعت نہیں ہے -

بعض اشخاص کمال اخلاق کو اسی بات میں منحصر سمجھتے ہیں کہ انسان مادہ غضب کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دے۔ کسی حال میں کسی بات پر غصہ نہ کرے۔ دشمنوں کے قصور ہمیشہ معاف کرے ظالموں کے ظلم سہے مگر کبھی مقابلہ نہ کرے یہاں تک کہ اگر کوئی اس کی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی اس کے آگے کر دے اور کوئی ایک کوس بیگار میں لیجائے تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جائے" ظاہر ہے کہ یہ اخلاقی معیار فطرت انسانی کے خلاف ہے ایسا اخلاق۔ اگر اس کو اخلاق کہا جا سکے مصنفوں کی تصنیفات اور مقرروں کی تقریرات کو دلچسپ بنانے کی غرض سے کچھ مفید ہو تو ہو۔ مگر جب عمل کا سوال درپیش ہوتا ہے تو جو لوگ اس کے بڑے حامی ہیں وہی اس سے گریز کر جاتے ہیں لوگوں کو تو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا آگے کر دو" مگر خود ان کو ایسا موقع پیش آجائے تو شاید ایک تھپڑ کے بدلے دس تھپڑ مار کر یا مجرم کو کسی دوسری طرح بہت زیادہ تکلیف پہنچا کر بھی انکو صبر نہ آسکے۔

قطع نظر اس کے ایسے اخلاق کی تعمیل سے انتظام عالم میں سخت تہلکہ اضطراب اور انقلاب پیدا ہو جانے کا قوی یقین ہے۔ ایسی حالت میں بدوں کو نیکوں پر ظلم کرنے کا بہت اچھا موقع ملجائے گا۔ کیا آج کوئی قوم

اس تعلیم پر عمل کرکے دنیا میں اپنی شخصیت قایم رکھ سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مہذب سے مہذب قوموں نے بھی کبھی اس پر عمل نہیں کیا اور نہ کرسکتی ہیں ؎

انبیاء (علیہم السلام) جنھوں نے دنیا کا اخلاق درست کیا اور خود بھی اخلاقِ حسنہ سے متصف تھے اُن کے نفوس قدسیہ سے بھی مادّۂ غضب منقطع نہیں ہوا۔ سید الانبیاء محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) جنھوں نے نہ صرف ایک مکمل قانونِ اخلاق دنیا کے سامنے پیش کیا۔ بلکہ خود خُلقِ مجسّم بن کر اُس کا عملی نمونہ بھی دنیا کو دکھایا ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ ۝	"میں انسان ہی ہوں جیسا اور انسانوں کو غصّہ آتا ہے مجھے بھی آتا ہے" مگر فرق یہ ہے

کہ انبیا۔ اولیا۔ صُلحا کی زبان سے غصّہ کی حالت میں بھی ہمیشہ حق ہی بات نکلتی ہے۔ وہ اپنے غصّہ کو قابو میں رکھتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ فرمایا ہے یعنی ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جو غصّہ کو دبا لیتے ہیں نہ ایسے لوگوں کی جو غصّہ کو معدوم کردیتے ہیں۔

پس صحیح اور فطرت انسانی کے مطابق یہی تعلیم ہے

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (شورےٰ ۴۲۔ آیت ۳۸)	بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہے یعنی بُرائی کے موافق انتقام لینا۔ تاہم جو شخص معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمّے ہے ؎

عفو اور انتقام کا محل	اس آیت سے معلوم ہوا کہ موقع اور محل کے موافق عفو اور انتقام سے کام لینا چاہیئے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عفو

درگذر کی تاکید اکثر آیات و احادیث میں وارد ہوئی ہے اور انبیا و اولیا بالخصوص سید الانبیا علیہم السلام کے حالات میں عفو کی حیرت انگیز مثالیں موجود ہیں مگر چونکہ دنیا میں امن قایم رکھنے کی غرض سے انتقام لینا ضروری ہے۔ اسلیئے اسلامی شریعت نے بقدر واجب انتقام لینے کی اجازت دی ہے تاہم عفو کی فضیلت بھی ساتھ ساتھ جتادی ہے ؛

آنحضرت صلعم کی سیرت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی ذات کے لیئے نہیں بلکہ امن قایم رکھنے کے لیئے انتقام لیا ہے۔ جب کوئی شخص خاص آپکی ذات کو اذیت یا نقصان پہنچاتا تھا تو آپ اس کو معاف کر دیتے تھے البتہ جب مجرم کا جرم امن عامہ میں مخل یا مسلمانوں کے حق میں مضر ہوتا تھا اوسوقت آپ مناسب انتقام لیتے تھے۔ پس بطور اصول کلیہ کے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ظالم کا ظلم جب تک کسی شخص کی اپنی ذات تک محدود ہو عفو و درگذر ہی بہتر ہے کیونکہ انبیا و اولیا و صلحا کا بھی شیوہ رہا ہے۔ تاہم اگر اس پر عمل نہ ہوسکے (جیسا کہ اکثر صورتوں میں ہوتا ہے) تو بقدر جرم انتقام لینے کی شرعًا و عقلًا اجازت ہے۔ ہاں اگر اُس کا گناہ شخصی حد سے تجاوز کر کے قومی و ملکی و مذہبی گناہ تک پہنچ جائے اُس وقت مناسب طریقہ سے انتقام لینا واجب و لازم ہے۔ بشرطیکہ انتقام کے اسباب پائے جائیں ایسی حالت میں ظالم پر رحم کرنا فی الحقیقت مظلوموں پر ظلم کرنا ہے۔

۵

ترحم بر پلنگ تیز دندان ستم گاری بود بر گوسفندان

خود کشی شجاعت نہیں ہے

مفہوم شجاعت کی بابت ایک اور غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے بعض لوگ مفلسی سے تنگ آ کر۔ بعض زوال جاہ و مال کے

صدمہ سے یا کسی اور آفت سے دِق ہو کر جان پر کھیل جاتے ہیں ایسے کاموں کو دلیری و شجاعت کے بجائے بددلی اور بزدلی کہنا صحیح ہے۔ کیونکہ شجاع ہر حالت میں صابر اور مصیبتیں جھیلنے پر قادر ہوتا ہے۔ اور اضطراب اُس کے پاس نہیں پھٹکتا۔ شریعت نے خودکشی قتل اولاد وغیرہ افعال کو نہ صرف معیوب بلکہ موجب لعنت قرار دیا ہے ؛

عفت کی بابت غلط فہمی اور رہبانیت کا ابطال

شجاعت کی طرح عفت کا صحیح مفہوم سمجھنے میں بھی عموماً غلطی واقع ہوتی ہے جو لوگ دنیاوی لذتوں سے کنارہ کش یا تارک الدنیا ہو جاتے ہیں قید علائق سے آزاد ہو کر جنگلوں اور پہاڑوں میں نکلجاتے ہیں اور وہاں رہکر سخت سخت ریاضتیں عمل میں لاتے ہیں اور اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے کی بجائے جڑی بوٹی اور ساگ پات یا بھیک کے ٹکروں گذارہ کرتے ہیں۔ اُن کو عموماً عفیف پاکباز یا پارسا سمجھا جاتا ہے مگر یہ خیال غلط ہے۔ بعض لوگ تو ریاکاری سے ایسا کرتے ہیں اُن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ترک دنیا اور اظہار زہد و تقویٰ کو دام تزویر بنائیں۔ دنیا کمائیں لوگوں کی نظروں میں اپنی عزت و آبرو بڑھائیں اور عیش کریں ایسے لوگ یقیناً ہر شخص کے نزدیک لعنت و ملامت کے قابل ہیں ؛

برعکس اس کے بعض نیک نیت مگر سادہ لوح اشخاص ان افعال کو خدا تک پہنچنے اور نجات حاصل کرنے کا ضروری وسیلہ اور خانہ داری اور دیگر تعلقات کی ذمہ داریوں کو فی الحقیقت قرب حق کا مانع و مزاحم خیال کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے عفت کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے دھوکا کھایا ہے۔ عفت کا مقصد (جیسا کہ پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے

یہی ہے کہ نفسانی جذبات کو عقل کے تابع اور اعتدال پر قایم رکھا جائے نہ یہ کہ اُن کو معدوم کر دیا جائے۔ عفّت کا یہ مفہوم یعنی جذبات کا استیصال انسانی فطرت کے خلاف اور اسی لئے غلط ہے۔ لہذا پیغمبر اسلام (علیہ آلہ الصلوٰۃ والسلام) نے اس جوگیانہ اور راہبانہ اخلاق کی غلطی کو صاف لفظوں میں جتا دیا اور یہ فرما دیا:۔

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ | "اسلام میں رہبانیت یعنی ترک دنیا نہیں ہے"۔

واقعہ ذیل سے بیان مذکور کی اور زیادہ توضیح ہوگی۔ اور یہ معلوم ہوگا کہ عفّت کے متعلق اسلام نے کیا تعلیم دی ہے ؎

ایک دفعہ آنحضرت نے قیامت کی سختی اور عذاب الٰہی کا حال بیان کیا تو بعض اصحاب نہایت خوف زدہ ہوئے اور اُنھوں نے باہم یہ عہد کر لیا کہ تمام عمر دن بھر روزہ رکھیں اور رات عبادت میں بسر کریں بستر پر نہ سوئیں گوشت روغن وغیرہ لذیذ چیزیں نہ کھائیں۔ عورتوں کے ساتھ معاشرت ترک کریں۔ خوشبو نہ لگائیں موٹا جھوٹا کپڑا پہن کر زندگی کے دن گذاریں دنیا کے کاموں سے بے تعلق رہیں کسی کام میں سعی و کوشش نہ کریں اور سیر و سفر اختیار کریں۔ غرضکہ بالکل راہبانہ زندگی بسر کریں۔ اور مقصد یہ تھا کہ ان افعال کی بدولت مواخذۂ قیامت سے سبک دوش ہوں ؎

جب آنحضرت کو اس بات کی خبر پہنچی تو آپ نے اُن کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے فرمایا:۔

"اے لوگو! جیسا خدا کا حق تم پر ہے ایسا ہی تمہارے نفس کا حق بھی ہے۔ تم کو چاہئے کہ کبھی روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو۔ تمام سال متواتر

روزہ نہ رکھو) کبھی شب کو سوجاؤ۔ کبھی عبادت کے لئے اٹھ کھڑے ہو
و تمام رات برابر شب بیداری نہ کرو) کیونکہ میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں
کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا۔ شب کو کبھی عبادت کے لئے
اٹھ کھڑا ہوتا ہوں۔ اور کبھی سوجاتا ہوں گوشت اور روغن کھاتا
ہوں۔ عورتوں کے ساتھ معاشرت رکھتا ہوں۔ مَنْ رَغِبَ
عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ (جو شخص میرے طریقے سے منھ
پھیرے وہ میرا فرمانبردار نہیں ہے)"
اس کے بعد آپ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس
میں عباد نصاریٰ کی مانند عزلت کی زندگی بسر کرنے پر تہدید۔ اور
دنیاوی لذات سے بقدر واجب متمتع ہونے کی ترغیب تھی ؎

چھٹا باب

اخلاق اثر

علم اخلاق کی ضرورت پر ایک اعتراض۔

بعض کوتاہ اندیش یہ خیال کرتے ہیں کہ درستی اخلاق کی سعی کرنا ایک فعل عبث ہے۔ ان کی رائے میں کسی شئے کی فطرت اور طبیعت بدل نہیں سکتی۔ بلکہ جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ جس شخص کی طبیعت نیکی پر مجبول ہے وہ نیک کام کرے گا اور جس کی طبیعت بدی پر مجبول ہے اُس سے بُرے کام سرزد ہوں گے۔ نیک آدمی بد نہیں ہو سکتا۔ اور بد نیک نہیں ہو سکتا اس لئے علم اخلاق بے فائدہ ہے

اعتراض مذکور کی دو دلیلیں

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خُلق تبدیل نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے دعوے کی تائید میں عموماً دو دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

اوّل۔ انسان کی ظاہری صورت (خَلق) میں تبدیلی ممکن نہیں مثلاً پست قد آدمی دراز قد نہیں ہو سکتا۔ بدصورت خوبصورت نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اُس کا عکس ممکن ہے۔ پس باطنی صورت

(خُلق) کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ جو شخص فطرۃً خوش خُلق ہے۔ وہ بدخلق نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جو فطرۃً بدخلق ہے وہ خوش خلق نہیں بن سکتا ؛

دوم۔ اخلاق کا خلاصہ یہ ہے کہ فانی لذتوں سے دل ہٹ جائے۔ اور یہ محال ہے۔ نفسانی جذبات طبعی اُمور ہیں۔ اور تجربہ شاہد ہے کہ اُن کا اثر ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لہذا ان کے درپے ہونا اور اخلاق کی درستی میں کوشش کرنا محض تضیع اوقات ہے ؛

پہلی دلیل کی غلطی

دنیا کے تمام مذاہب تہذیب اخلاق پر زور دیتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت نے فرمایا ہے حَسِّنُوْا اَخْلَاقَکُمْ (اپنے اخلاق کو عمدہ بناؤ) اگر اخلاق ناقابل تغیر ہوتا تو تعلیم و تادیب لغو۔ وعظ و نصیحت عبث اور شریعت کے احکام (اوامر و نواہی) بیکار ہوتے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ جس طرح نیک آدمی بری صحبت میں بیٹھنے سے بد ہو جاتے ہیں اسی طرح بد آدمی اچھی صحبت کی بدولت نیک بن جاتے ہیں ؛

تربیت کا اثر بدیہی ہے اور روزمرّہ مشاہدہ میں آتا ہے۔ انسان تو انسان ہے عقل حیوان بھی تربیت کی بدولت مؤدّب ہو جاتے ہیں۔ سرکش گھوڑا کیسا غریب ہو جاتا ہے۔ سدھا ہوا شکاری کتا شکار کو پکڑ لیتا ہے۔ مگر اس کو پھاڑ کھانے کا ارادہ نہیں کرتا۔ باز جیسا وحشی پرندہ کیسا مانوس ہو جاتا ہے کہ آدمی کے اشارے پر شکار پکڑ لاتا ہے۔ یہ سب تغیر اخلاق کی بدیہی مثالیں ہیں ؛

رہا باطنی صورت کو ظاہری صورت پر قیاس کرنا یہ قیاس
مع الفارق ہے کیونکہ موجودات دو قسم کے ہیں ایک وہ جن
کا وجود کامل ہے یعنی اُن کی تکمیل کے لئے جو ضرورت تھی
وہ پوری ہوگئی۔ اور انسان اپنے اختیار سے اب اُن میں کمی
بیشی نہیں کرسکتا۔ مثلاً زمین آسمان ستارے وغیرہ۔ حیوان
و انسان کی ظاہری صورت اور جسمانی اعضا بھی اسی قسم
میں داخل ہیں۔ دوسری قسم میں وہ چیزیں داخل ہیں جن کا
وجود ناقص ہے۔ مگر کامل ہونے کی قابلیت اُن میں موجود ہے
اگر شرائط کمال پائے جائیں تو وہ درجہ کمال کو پہنچ سکتے ہیں۔
ان شرائط کا پورا کرنا بعض اوقات انسان کے اختیار میں ہوتا
ہے۔ مثلاً عام کی گٹھلی میں یہ استعداد ہے کہ اگر اُس کو مناسب زمین
میں لگاکر باقاعدہ پانی دیا جائے تو آم کا درخت بن سکتا ہے۔
اور اُس سے آم پیدا ہوسکتا ہے۔ مگر گٹھلی کو فوراً آم بنا دینا
انسان کے اختیار سے باہر ہے۔ یہی حال انسانی قوئے کا ہے۔
جن پر انسان ایک حد تک تصرف کرسکتا ہے ؛

دوسری دلیل کی غلطی

دوسری دلیل میں مفہوم اخلاق کی بابت متعرض
سے غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔ اخلاق کی اصل
حقیقت سمجھ لینے کے بعد یہ اعتراض وارد نہیں
ہوسکتا۔ حُسن خلق کا مقصد جیسا کہ پہلے مفصل بیان ہوچکا ہے۔
استیصال جذبات نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کا وجود شخصی و نوعی
بقا کے لئے نہایت ضروری ہے۔ مثلاً اگر انسان کو کھانے پینے

کی اشتہا باقی نہ رہے تو بہت جلد ہلاک ہو جائے۔ یا اشتہائے نکاح مفقود ہو جائے۔ تو نسل ہی منقطع ہو جائے علیٰ ہذالقیاس مادۂ غضب معدوم ہو جائے تو انسان مہلک چیزوں کو اپنے نفس سے دفع نہ کرسکے اور تباہ و برباد ہو جائے قصہ مختصر اخلاق کا مدعا یہ نہیں کہ کسی قوت کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ افراط و تفریط کو چھوڑ کر اُس کو حتی الامکان اعتدال پر قایم رکھا جائے یہ بات ممکن ہے اور تغیر اخلاق کا یہی مقصد ہے و بس۔

اخلاقی اثر قبول کرنے کے اعتبار سے لوگوں کے چار درجے

یہ بات تو ثابت ہو گئی ہے کہ انسان کی طبیعت اخلاقی اثر سے متاثر ہوتی ہے۔ مگر اب دیکھنا چاہیے کہ یہ اثر کس حد تک ہوتا ہے۔ چونکہ طبائع مختلف ہیں۔ اور عادت یا صحبت کی وجہ سے جو باتیں پہلے سے کسی شخص کے دل میں سمائی ہوئی ہوں اُن کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ اس لئے سب پر یکساں اثر نہیں ہوتا۔ بعض اشخاص جلد متاثر ہوتے ہیں بعض دیر میں بعض کو اپنی اخلاقی اصلاح میں کم وقت اٹھانی پڑتی ہے۔ بعض کو زیادہ۔ جس قدر کوئی عادت دیرپا ہو۔ اور کثرت عمل سے طبیعت میں راسخ ہو گئی ہو۔ اُس کے بدلنے میں اُسی قدر زیادہ عرصہ لگے گا۔ پس اس اعتبار سے لوگوں کے چار درجے ہیں:-

پہلا درجہ۔ انسان بالکل خالی الذہن ہو اور مثل بچہ کے نیک و

و بد کی تمیز نہ رکھتا ہو۔ ایسی حالت میں جلد اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے صرف ایک معلّم کی ضرورت ہے۔ جس کی تادیب سے چند روز میں اخلاق درست ہو سکتا ہے ؛

دوسرا درجہ۔ انسان نیک و بد کو پہچانتا ہو۔ مگر بدی کا عادی ہو نیکی وجہ سے نیکی کی طرف رغبت نہ رکھتا ہو۔ ایسے شخص کی اصلاح بھی ممکن ہے۔ مگر دقت کے ساتھ۔ کیونکہ یہاں دو باتوں کی ضرورت ہے۔ اوّل عمل بد کی عادت چھڑانا۔ دوم عمل نیک کی عادت ڈالنا ؛

تیسرا درجہ افعال بد کو نیک سمجھ کر عمل میں لائے اور شروع سے اسی قسم کی تربیت بھی پائی ہو۔ ایسے شخص کی اصلاح سخت دقت طلب ہے۔ جس کے لئے کامل اُستاد کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہاں بتدریج تین مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں۔ اوّل افعال بد کی بُرائی اُس کے دل میں بٹھانا۔ دوسرے اُن افعال کا جو عادت مستمرہ کی وجہ سے طبیعت ثانیہ بن گئے ہیں ترک کرانا۔ تیسرے اعمال صالح کی عادت ڈالنا۔ بہرحال اس درجہ میں بھی کچھ نہ کچھ اصلاح کی امید ہوتی ہے

چوتھا درجہ۔ باوجود افعال قبیحہ کے مُزاولت اور بدتمیزی کے لوگوں کی دل آزاری و تباہی و بربادی۔ اور قتل و غارت وغیرہ کو فخر جانتا ہو۔ اور اپنی عزت و آبرو کو اس شرارت آمیز فتنہ پردازی میں منحصر سمجھتا ہو یہ درجہ سب سے زیادہ سخت ہے اور ایسے شخص کی اصلاح کی توقع نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس درجہ مین گمراہی کے اسباب بہت ہیں ؛

ان چاروں درجوں میں پہلا درجہ صرف جہالت کا ہے۔ دوسرے درجہ

ہیں جہالت وضلالت دونوں جمع ہیں۔
تیسرے درجہ میں ان دونوں صفتوں کے علاوہ فسق بھی شامل ہے
چوتھا درجہ جہالت۔ ضلالت۔ فسق اور شرارت چاروں بُرائیوں کا مجموعہ ہے۔

انسان کی ناقابلِ اصلاح حالت کا بیان جس میں آیۂ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وغیرہ کی تفسیر شامل ہے

پہلے درجہ میں انسان آسانی سے دوسرے میں وقت سے اور تیسرے میں زیادہ وقت ہی رُوبراہ ہو سکتا ہے۔ مگر چوتھے درجہ پر پہنچ کر اُس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسا چکنا گھڑا کہ اُس پر بوند پڑتے ہی پھسل جاتی ہے۔ اس درجہ کے اشخاص کے لیے تعلیم وتلقین۔ پند ونصیحت۔ وعظ وہدایت سب چیزیں بیکار ہیں۔ اُن کے کان ہوتے ہیں مگر سنتے نہیں۔ آنکھیں ہوتی ہیں مگر دیکھتی نہیں۔ دل ہوتے ہیں مگر تاریک جن میں نورِ معرفت حاصل کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی حالت کا نقشہ قرآن مجید میں اس طرح کھینچا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ
(البقرہ۔ آیت ۵-۶)

"درحقیقت یہ لوگ جنھوں نے قبول حق سے انکار کیا اُن کے حق میں یکساں ہے کہ تم (اے پیغمبر) اُن کو عذاب آلہی سے ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہیں لائیں گے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی۔ اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

حصول علم و عرفان کے بڑے ذریعے یہی تین چیزیں ہیں۔ دل۔ کان آنکھہ۔ جب تک کوئی شخص دل سے دھیان نہ کرے۔ کان سے حق بات کو نہ سُنے اور آنکھہ سے مظاہر قدرت کو نہ دیکھے اسوقت تک اُس کو ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی عام قاعدہ ہے کہ جہاں تک انسان اپنی جسمانی و روحانی قوتوں سے باقاعدہ کام لیتا ہے وہ ترقی کرتی ہیں اگر ان سے کام لینا چھوڑ دیا جائے تو ضعیف ہو کر رفتہ رفتہ کالعدم ہو جاتی ہیں یہ ایسا بدیہی قانون قدرت ہے۔ جس کی مثالیں ہر وقت ہمارے پیش نظر ہیں۔ دیکھو اگر کوئی شخص اپنے ہاتھہ سے کام لینا چھوڑ دے تو اس کا ہاتھہ تھوڑے عرصہ میں خشک ہو کر بے کار ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر وہ ایک مدت تک اپنی آنکھیں بند رکھے تو اس کی قوت باصرہ زائل ہو جائے گی۔ بالکل یہی حالت قلب کی ہے اگر انسان اپنے قلب سے کام نہ لے اور افعال اور اُن کے نتایج پر غور نہ کرے تو رفتہ رفتہ اس کا قلب مکدر ہو جاتا ہے آئینۂ دل زنگ معصیت سے آلودہ ہو جاتا ہے اور نور ہدایت حاصل کرنے کی قابلیت مفقود ہو جاتی ہے۔ پس دلوں اور کانوں پر مہر لگ جانے اور آنکھوں پر پردہ پڑ جانے سے یہی مراد ہے کہ ان لوگوں نے خداداد قوتوں سے کام نہ لیا۔ خدا نے اس کفران نعمت کی سزا یہ دی کہ اپنی دی ہوئی قوتوں کو اُن سے سلب کر لیا اور یہ سراسر انصاف ہے ؃

رہی یہ بحث کہ اس فعل کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف کیوں منسوب کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا علت العلل ہے اور تمام سلسلۂ اسباب

اسی کی ذات پر منتہی ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے منکروں کے دلوں اور کانوں پر مہر لگانا یعنی اُن کے قوائے عقلیہ کو سلب کر لینا یقیناً خدا ہی کا فعل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا کے تمام کام خدا کی طرف سے ہیں یا بالفاظ دیگر ہر ایک کام کا نتیجہ اُس کے مقرر کئے ہوئے قانون کے مطابق ظاہر ہوتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا (نعوذ باللہ) زبردستی انسان سے افعال بد کراتا ہے خدا نے تو انسان کو ہدایت کا رستہ بتا دیا ہے اُس رستہ پر چلنا یا نہ چلنا اُس کا اپنا کام ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (دہر۔ آیت ۳)	ہم نے تو انسان کو سیدھا رستہ دکھا دیا اب دو قسم کے آدمی ہیں۔ بعض شکر گزار اور بعض ناشکرے ؏

اس مطلب کو قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں کھول دیا گیا ہے تاکہ اس بارہ میں کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ خدا نے صاف صاف جتا دیا۔ کہ دلوں پر مہر لگانے کی سزا بیوجہ نہیں دیجاتی بلکہ متکبروں۔ سرکشوں۔ منکروں۔ اور ارادتاً حق سے منحرف ہونے والوں ہی کو یہ سزا دیجاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے :۔

كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (المومن۔ آیت ۳۷)	"تمام مغروروں اور سرکشوں کے دلوں پر اللہ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے "

دوسری جگہہ اس طرح فرمایا ہے :۔

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِم | پس اُن کے عہد توڑنے کی وجہ سے

بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَقَتْلِھِمُ الْاَنْۢبِیَاۗءَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِھِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِكُفْرِھِمْ (النساء آیت ۱۵۴)

نشانات الٰہی سے انکار کرنے کی وجہ سے ناحق پیغمبروں کو قتل کرنے کی وجہ سے وہم نے اُن سے توفیق خیر اُٹھالی) اور اُن کے اس کہنے کی وجہ سے بھی کہ ہمارے دل محفوظ ہیں۔ نہیں بلکہ اُن کے کفر کی وجہ سے خدا نے اُن کے دلوں پر مہر کردی ہے۔" ان آیتوں سے ثابت ہے کہ خدا کی طرف سے مہر لگایا جانا انسان کی اپنی سرکشی و کفر کی سزا ہے۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ خدا کے مہر لگانے کی وجہ سے لوگ کافر ہو جاتے ہیں غرضہ مختصر یہ مہر نتیجہ کفر ہے۔ علّتِ کفر نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے جبر کا الزام خدا پر عائد نہیں ہو سکتا ؛

اخلاق کے ناقابل تغیر ہونے کے ثبوت میں بعض اوقات یہ حدیث پیش کی جاتی ہے ؛

اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَکَانِہٖ فَصَدِّقُوْہُ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ زَالَ عَنْ خُلُقِہٖ فَلَا تُصَدِّقُوْہُ فَاِنَّہٗ سَیَعُوْدُ اِلٰی مَاجُبِلَ عَلَیْہِ

"جب تم سنو کہ ایک پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو اُس کو سچ جان لینا اور جب یہ سنو کہ ایک شخص اپنی خصلت سے باز آگیا تو اُس کو سچ نہ جاننا کیونکہ وہ جلد اپنی طبیعت کی طرف رجوع کرے گا"؛

مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسی حدیثوں کا حکم عام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تہذیب اخلاق کی تاکید مین کثرت سے حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ لہٰذا اس قسم کی حدیثوں میں جن سے بظاہر اخلاق کا ناقابل تغیر ہونا مفہوم ہوتا ہے نفس انسان کی اسی خاص حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جبکہ اُسکی اصلاح

محال ہو جاتی ہے ✦

اس باب کا خلاصہ اور نتیجہ -

اس باب میں جو کچھ بحث کی گئی ہے اُس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اخلاق ایک خاص حد تک قابل تغیر ہے اور عام طور پر تادیب و تربیت کا اثر کم و بیش ضرور ہوتا ہے - اگر بعض صورتوں میں خاص موانع کی وجہ سے اثر نہ ہوا تو اس سے علم اخلاق کی عظمت پر حرف نہیں آسکتا - علم اخلاق کی مثال بالکل علم طب کی سی ہے اور اسی لیے اُس کو طب روحانی بھی کہتے ہیں - اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "جبتک ہر مرض قابل علاج نہ ہو علم طب بے کار ہے" تو اُس کا قول یقیناً قابل التفات نہ ہوگا - اسی طرح اخلاق پر بھی یہ اعتراض وارد نہیں ہوسکتا کہ جبتک ہر ایک خلق بد قابل زوال نہ ہو علم اخلاق بے فائدہ ہے - اس میں کلام نہیں کہ نہایت شریر آدمیوں پر بھی بار بار کی تادیب و سیاست کا کچھ نہ کچھ اثر ہوتا ہے - اگر ان کی شرارت بالکل زائل نہ ہو تو اس میں کمی تو ضرور ہو جاتی ہے کم از کم اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا ہے کہ اُن کی شرارت میں اور زیادہ ترقی نہیں ہوتی - اور اگر خاص صورتوں میں اُس کا اثر ظاہر نہ ہو تو بھی علم اخلاق کے ضروری اور مفید ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا ✦